مظفرعلی سید کے دوہے، گیت اور بھجن

ڈاکٹر خالد سنجرانی*

Abstract:

Muzzaffar Ali Syed can justifiably, be regarded as one of the pioneers in the field of Urdu Doha and song writing in Pakistan. This research paper is about the editorial work on his Urdu dohas, bhajans and the songs. It is an attempt to probe the reasons for which the research in, and the critical appreciation of these songs and dohas was neglected and as a result the entire creative work of Muzzaffar Ali Syed, in this field, was allowed to sink in to oblivion. This article also throws light on Muzzaffar Ali Syed's contribution in the critical debate on the question of identity that conditioned the intellectual atmosphere in the first decade of the second half of 20th century. In this paper the writer has attempted to collect Muzzaffar Ali Syed's dohas, geet and bhajans that were published in different literary journals over a period of time. Beside these, other creative writings of this neglected poet have also been brought to light .A task, very strenuous indeed but extremely rewarding in the sense that it highlights some important features of the early phase of this genre of Urdu poetry that later evolved a great tradition.

مظفرعلی سید ’’موج دریا‘‘ کے قلمی نام سے ہندی اسلوب میں دوہے گیت اور بھجن بھی لکھا کرتے تھے۔۵۰۔۱۹۵۱ کے مجلّہ ’’راوی‘‘ اور انتظار حسین کی زیرادارت شائع ہونے والے رسالے ’’خیال‘‘ میں موج دریا کے نام سے گیت اور جو چند بھجن شامل ہیں، وہ مظفرعلی سید ہی کی تخلیق ہیں۔ان کے اصل نام سے شائع ہونے دوہے، گیت اور بھجن ان کے سوا ہیں۔بعض صورتوں میں قلمی نام مغالطے کا سبب بنتا ہے۔اس لیے پہلا سوال مظفرعلی سید کے اس قلمی نام کی حقیقت سے وابستہ ہے کہ ’’موج دریا‘‘ مظفرعلی سید کا قلمی نام ہے یا کسی اور کا۔انتظار حسین، شہزاد احمد، ڈاکٹر سہیل احمد خان اور شاہد حمید کی صورت میں کئی زبانی شواہد موجود ہیں کہ یہ سبھی سید صاحب کے قدیمی احباب ہیں اور ’’موج دریا‘‘ کی رمز سے واقف بھی۔تاہم، مظفرعلی سید کے اس قلمی نام کی تصدیق تحریری شواہد سے بھی ہوتی ہے۔ڈاکٹر سہیل احمد خان لکھتے ہیں: ’’شروع میں جب وہ ہندی لہجے کے گیت اور بھجن لکھتے تھے تو انھوں نے اپنا قلمی نام ’’موج دریا‘‘ منتخب کیا تھا‘‘۔(۱) ان کے اس قلمی نام کی دستاویزی تصدیق مجلّہ ’’راوی‘‘ کے ایک شمارے سے بھی ہوتی ہے۔(۲)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور (پاکستان)

قلمی نام اختیار کرنے کی کچھ سیاسی اور نفسیاتی وجوہ ہوتی ہیں جو اپنی جگہ خاصی دلچسپ بھی ہوا کرتی ہیں (اس طرز کا مطالعہ الگ سے ایک مقالے کا متقاضی ہے)۔ دیکھنا یہ ہے کہ مظفر علی سید نے دوہوں اور گیتوں کے لیے قلمی نام کیوں منتخب کیا۔ قیاس اس طرف کئی اشارے کرتا ہے۔ سید صاحب جلد ہی پاکستان ائیر فورس سے وابستہ ہو گئے تھے۔(۳) اس طرح کی ملازمتوں کے دوران میں اشاعت کے لیے بھیجی جانے والی تحریریں پہلے متعلقہ حکام کو دکھانی پڑتی ہیں۔ سماج یا اداروں میں اس طرح کی پابندیوں میں جکڑی تخلیقی امنگ کبھی کبھار قلمی ناموں کی آڑ بھی لے لیا کرتی ہے۔ تاہم، حقائق سے اس قیاس کی نفی ہوتی ہے کیوں کہ ائیر فورس کی ملازمت سے قبل مظفر علی سید کے گیت اور بھجن ''موج دریا'' کے قلمی نام سے شائع ہو چکے تھے(۴)۔

''موج دریا'' کے قلمی نام کے انتخاب میں مظفر علی سید کی افتادِ طبع کا بڑا دخل دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے جب لکھنا شروع کیا تو وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھے اور نیو ہاسٹل میں مقیم تھے۔ ہاسٹل میں بقول انتظار حسین: ''بیٹھ کر ایک پورا حلقہ ارادت پیدا کر لیا تھا۔ اب تو وہ ہوسٹل سے اس طرح نکلتا تھا جیسے امام باڑے سے ذوالجناح برآمد ہوتا ہے۔''(۵) اس عہد کی چند یادوں کو غالب احمد نے زندہ کیا ہے کہ جن سے مظفر علی سید کی افتادِ طبع کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے اور جن سے ان کے قلمی نام کی معنویت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

> ''ان دنوں تحلیل نفسی والوں کے ہاں ایذا طلبی (Masochism) اور جفا کوشی (sadism) کا بہت چرچا تھا۔ شاہ جی نے بھی اپنے اوپر اور اپنے دوستوں پر تجربے کرنا شروع کر دیئے۔ کوئی دوست ان کے پاس بیٹھا ہوا کوئی ادبی حوالہ پڑھ کر سنا رہا ہے تو اچانک شاہ صاحب اپنے منہ میں آفس پن کی نوک سے اس کے کندھے میں سوراخ کھودنے لگتے۔ وہ تلملا اٹھتا ''ارے بھائی کوئی بات نہیں یونہی دیکھا ہے کہ تم کس طرح چونک اٹھتے ہو''۔۔۔
>
> ایک رات شاہ جی نیو ہاسٹل کی چھت پر ضلع کچہری کی سامنے والی دیوار کی منڈیر پر رات بھر سوتے جاگتے اوندھے منہ لیٹے رہے۔ اس اذیت سے دوچار ہونے کے لیے کہ کب اونگھ آئے اور گروں اور مروں اور خود کو گرتے مرتے دیکھوں۔۔۔
>
> اپنے روم میٹ حنیف رامے کو اپنی بغل میں بٹھا کر اسکے بازو کی کلائی قابو میں کی اور کلائی پر چپکے سے ریزر بلیڈ پھیر دیا۔ سوچا زخم کی معمولی دھار لگے گی لیکن رامے کی کلائی پر یہ زخم اتنا گہرا لگا کہ خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ مظفر علی سید نے بہتا ہوا خون نہیں دیکھا تھا، سو دیکھ لیا۔۔۔۔''
>
> انہی دنوں کسی خاص شخصیت یا دوست کی وفات ہوئی۔ اب نام یاد نہیں۔ مظفر علی سید نے اس کے غم میں جو دو چار آنسو بہائے، وہ بطور ''عطرِ تعزیت'' ایک چھوٹی سی خوبصورت عطر کی شیشی میں محفوظ کر

لئے۔۔۔ (۶)

مظفر علی سید کے زمانہ طالب علمی کے یہ چند واقعات ان کے قلمی نام کی نفسیاتی توجیہہ کے چند بلیغ اشارے ہیں۔ان کی شخصیت علم کے اس قلعے کے مانند دکھائی دیتی ہے کہ جس کے اندھے تہ خانے میں ایک جوگی مقید ہو کر رہ گیا ہو۔مزاجاً وہ تخلیقی آدمی تھے۔موج دریا کا سا انداز ان کے ہاں آخری سانسوں تک قائم رہا۔(۷)

بنجارا، فقیر، سادھو، داسی، موج دریا وغیرہ ایسے کردار دوہے، بھجن اور گیت کی تہذیبی روایت کے قریب تر حوالے ہیں۔شاید انہی حوالوں سے متاثر ہو کر عرش صدیقی نے ''عادل فقیر'' کے قلمی نام سے اور سید صاحب نے ''موج دریا'' کے نام سے دوہے لکھے۔مجموعی طور پر دیکھا جائے تو سید صاحب کے قلمی نام کی نفسیاتی اور تہذیبی تعبیریں کئی انداز سے کی جاسکتی ہیں لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ انھوں نے اس قلمی نام کو تہذیبی پس منظر، دوہے سے اس کی جڑت اور اپنے غالب نفسیاتی رجحان کے تحت منتخب کیا ہوگا۔

اب اسے قلمی نام کا اعجاز کہیے یا مظفر علی سیّد کی عالمانہ شان و شوکت کا چرچا کہ اردو دوہا نگاری اور گیت نویسی کے حوالے سے اب تک جو تحقیقی و تنقیدی کام سامنے آیا ہے، اس میں روایت کے طور پر بھی مظفر علی سیّد کا نام نہیں ملتا۔ عرش صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے ''پاکستان میں اردو دوہا نگاری'' میں ان دوہا نگاروں (۸) کا بھی تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اپنے تخلیقی سفر میں چار پانچ دوہے کہے۔اس مقالے میں انھوں نے پاکستان کے دوہا نگاروں کے دوہوں کی تعداد کا تعین کیا ہے۔ایسی صورتِ حال میں مقالہ نگار سے وابستہ توقعات بڑھ جاتی ہیں۔تاہم، حقیقت یہ ہے اس مقالے میں مظفر علی سیّد کے دوہوں کا حوالہ موجود نہیں۔

عرش صدیقی کے ہاں مظفر علی سیّد کو نظر انداز کرنے یا بھول جانے پر حیرت اس لیے بھی زیادہ ہوتی ہے کہ دونوں ایک ہی زمانے میں گورنمنٹ کالج، لاہور میں پڑھتے رہے اور دونوں کا ایک دوسرے سے ربط بھی تھا۔مظفر علی سیّد نے ''راوی'' میں عرش صدیقی کی ایک نظم (۹) بھی شائع کی تھی۔یہی وہ زمانہ ہے جب مظفر علی سیّد کے گیت اور دوہے ''راوی'' میں شائع ہو رہے تھے۔دوہا نگاری کے فن اور روایت پر جمیل الدین عالی کے مضامین (۱۰) میں بھی مظفر علی سیّد کا تذکرہ نہیں ملتا۔جامعات میں اردو دوہا نگاری پر ایم۔فل کی سطح کے تحقیقی مقالات (۱۱) کی بھی یہی صورتِ حال ہے۔پاکستان میں گیت اور بھجن پر ہونے والا تحقیقی و تنقیدی کام (۱۲) بھی مظفر علی سیّد کے گیتوں کے تذکرے سے خالی ہے۔اردو تحقیق و تنقید کی دنیا ابھی تک مظفر علی سیّد کی تخلیقی جہت سے قدرے نا آشنا ہے۔ان کے دوہوں اور گیتوں کی بازیافت کرنا اور ان اصناف کی روایت میں ان کے مرتبے کا تعین کرنا اس لیے بھی ضروری ہے

کہ وہ پاکستان میں دوہے اور گیت نگاری کے حوالے سے بانیوں میں شامل ہیں۔

اگر مظفر علی سیّد نے ستر، اسی کی دہائی میں یا زندگی کے اواخر میں چند دوہے اور گیت لکھے ہوتے تو شاید ان اصناف کی روایت میں ان کا کوئی نمایاں مرتبہ نہ ہوتا لیکن معاملہ یہ ہے کہ انھوں نے ان اصناف کو تاریخ کے ایک نازک دھارے پر اختیار کرتے ہوئے ان کی بقا اور تسلسل میں اہم کردار ادا کیا، جسے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ تب نوزائیدہ اسلامی مملکت کے تہذیبی تشخص کا دھارا ہند اسلامی ثقافتی ڈھانچے سے الگ کسی بنیادوں کا متلاشی تھا۔ تہذیبی تشخص کی یہ بحث ابتدائی برسوں میں نہ جانے کتنی تہذیبوں کی میراث کو کھنگال آئی تھی۔ سندھ میں محمد بن قاسم کی آمد کے ساتھ ساتھ موہنجوداڑو، ہڑپہ اور ٹیکسلا کی خستہ بنیادوں تک نگاہوں نے رسائی حاصل کی۔ بڑی شدومد کے ساتھ سوالات اٹھائے گئے۔ حلقہ ارباب ذوق پر یونس جاوید کی مرتبہ کتاب سے ان مباحث کی فکری فضا کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نوع کے تہذیبی مباحث نے کئی ذیلی مسائل کو بھی جنم دیا جن میں پاکستانی اور ہندوستانی ادب کی تقسیم کا معاملہ سرِ فہرست ہے۔

ادب کے تشخص کی اس جستجو میں وہ اصنافِ سخن کڑی آزمائش سے گزریں کہ جن کی بنیاد ہندی بحور، روایات، اسالیب اور اساطیر پر قائم تھیں۔ اسی فضا میں میرا جی کے گیتوں کی قبولیت سوالیہ نشان بن گئی تھی۔ اس فکری کشاکش نے منٹو ایسے بے مثل افسانہ نگار کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اس نے جو کچھ ۱۹۴۷ سے قبل ہندوستان میں رہ کر لکھا ہے، وہ ہندوستانی ادب کہلائے گا یا پاکستانی ادب اور جو کچھ اب وہ پاکستان میں تخلیق کر رہا ہے، اسے کیا نام دیا جائے گا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ، موتری، ٹیٹوال کا کتا ایسے افسانوں کو اس فکری تناظر میں بھی دیکھنا چاہیے۔

مظفر علی سیّد کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے پاکستان کے تہذیبی تشخص کا سوال اٹھنے سے قبل ہی تخلیقی سطح پر ہند اسلامی مشترکہ تہذیب کی اہمیت کو تسلیم کیا اور ان اصنافِ سخن میں اپنی تخلیقی امنگ کا اظہار کیا جو خالصتاً ہندوی اسالیب و روایات پر مبنی تھیں۔ ان کے دوہوں اور گیتوں کا ہندی لہجہ یہ واضح کرتا چلا گیا کہ یہ اصناف بھی ہماری تخلیقی میراث ہیں۔ اگر اس عہد میں مظفر علی سیّد، الیاس عشقی اور جمیل الدین عالی آگے بڑھ کر ان اصنافِ سخن کو نہ تھامتے تو ممکن تھا تہذیبی تشخص کی اس فکری جنگ میں دوہا اور گیت، مثنویوں اور قصیدوں کی مانند متروک ہو چکے ہوتے۔ مظفر علی سیّد نے تخلیقی سطح پر جو بار اٹھایا، اس کا بیڑہ بہت بعد میں جا کر انتظار حسین نے اپنی کہانیوں میں اٹھایا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مظفر علی سیّد پاکستان میں دوہا نگاری اور گیت نویسی کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ غالب احمد کی اس

رائے سے اختلاف کی گنجائش اگرچہ موجود ہے لیکن یہ رائے اپنی جگہ پر چونکاتی ضرور ہے:

> ''اسی زمانہ (طالب علمی) میں اس نے دوہے لکھے اور خوب لکھے۔ جمیل الدین عالی نے دوہے بھی انہی دنوں لکھنے شروع کیے، شاید، مظفر علی سید کی دیکھا دیکھی۔ عالی صاحب تو اب بھی دوہے لکھ رہے ہیں لیکن مظفر نے دوہے لکھنا چھوڑ دیا۔'' (۱۳)

دراصل، مظفر علی سیّد کا بے پناہ علم ان کی تخلیقی قوتوں کا رہزن ثابت ہوا۔ بعض صورتوں میں کم علمی بھی نعمت بن جاتی ہے جو سیّد صاحب کو حاصل نہ تھی۔ غالب احمد نے انھیں ''علم کی پوٹلی، گیان اور ودیا کا تھیلا'' (۱۴) قرار دیا ہے جبکہ انتظار حسین نے حیرانی کے عالم میں لکھا: ''یہ تو رفتہ رفتہ کھلا کہ اس نوجوان نے جو اتنی علامائی شان کے ساتھ میرے ساتھ گفتگو کرتا ہے، نامِ خدا چشم بددور ابھی ابھی بی۔اے میں قدم رکھا ہے یعنی گورنمنٹ کالج میں تھرڈ ائیر کا طالب علم ہے،'' (۱۵) اپنے بے پناہ علم کے سبب ان کی ذات میں تنقید کا اعلیٰ تر معیار اور تکمیلیت پسندی کا شدید جذبہ از خود پیدا ہو گیا تھا۔ سیّد صاحب کا تخلیقی جوہر اسی علمیت اور تکمیلیت پسندی کی نذر ہوتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے کچھ عرصہ دوہے اور بھجن لکھ کر اس طرف سے اپنا منہ موڑ لیا۔ غالب احمد لکھتے ہیں: ''مظفر نے دوہے لکھنا چھوڑ دیا۔ اگر میرا بائی اور دوسرے بھگتوں سے بہتر دوہے نہ لکھا کیے تو پھر لکھنے کا فائدہ۔'' (۱۶) مظفر علی سیّد نے اپنے زمانہ طالب علمی میں میرا بائی کے بھجنوں کا اردو رسم الخط میں ایک مسودہ تیار کیا تھا۔ (۱۷) ممکن ہے اسی کام کے زیر اثر ان کے ہاں دوہے اور بھجن لکھنے کی آرزو پیدا ہوئی ہو۔ انتظار حسین کے خیال میں مظفر علی سیّد نے دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی لیکن ان کا جوہر دوہے اور بھجن کی صنف میں زیادہ کھلا۔ اس حوالے سے انتظار حسین لکھتے ہیں:

> ''ویسے مظفر نے غزلیں بھی لکھیں ہیں۔ لیکن مجھ سے پوچھو تو شاعر وہ ان بھجنوں اور دوہوں ہی میں نظر آتا ہے جو اس نے ان دنوں لکھے تھے۔ یہ بے قرار روح اس صنف میں تھوڑا سا ٹک جاتی تو آج ہمیں دوہے کے لیے خالی جمیل الدین عالی پہ قناعت نہ کرنا پڑتی۔'' (۱۸)

دوہوں اور گیتوں کا کیا ذکر، تخلیقی سطح پر مظفر علی سیّد نے ہر صنف ادب سے بے وفائی کی۔ پچاس کی دہائی میں رسالہ ''خیال'' میں ان کے ناول ''فالتو آدمی'' (۱۹) کے اشتہارات دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ناول مکمل نہ ہو سکا کیونکہ بقول غالب احمد: ''موصوف نے کچھ صفحے لکھ کر اپنی تنقید کی نذر کر دیئے یا پھر ڈی۔ ایچ لارنس نے اسے آڑے ہاتھوں لے لیا۔'' (۲۰) مظفر علی سیّد کے ہاں جب بھی بے تاب تخلیقی امنگ زور آور ہوتی تھی تو اس کا اظہار عموماً منظوم صورت میں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ رسالہ ''فنون'' کے ایک شمارے (۲۱) میں ان کی نو غزلیں اکٹھی شائع ہوئیں۔ کراچی میں قیام کے دوران میں ''افکار'' سے ربط ہوا تو تنقیدی مضامین (۲۲) کے علاوہ ان کی شاعری (۲۳) بھی اس رسالے میں

نظر آنے لگی۔ پشاور کے دو ادبی جرائد (۲۴) میں بھی ان کی شعری تخلیقات شائع ہوئیں۔ فارسی میں بھی ان کی ایک آدھ غزل شائع ہوئی۔ (۲۵) فنون اور افکار کے علاوہ ''راوی'' اور ''ادبِ لطیف'' میں بھی ان کی اردو غزل دکھائی دیتی ہے۔ (۲۶) فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان کو بھی اظہار کا وسیلہ بنایا۔ (۲۷) ہندی لب و لہجے کے گیتوں علاوہ اردو میں ان کی نظمیں شائع ہوئیں (۲۸)۔ ۱۹۵۱ سے ۱۹۵۳ تک کا مختصر عرصہ (طالب علمی کا دور) مظفر علی سیّد کے دوہوں اور گیتوں کے حوالے سے زرخیز نظر آتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک طرح سے دوہے اور گیت لکھنا چھوڑ دیا تھا۔

مظفر علی سیّد کے گیت، بھجن اور دوہوں کا متن اسی انداز میں پیش کیا جا رہا ہے کہ جس انداز میں شائع ہوا تھا۔ جن گیتوں وغیرہ میں ان کا نام خطِ نسخ میں شائع ہوا، اسے خط نسخ میں ہی پیش کیا جا رہا ہے۔ رسالوں میں ان کا نام جس جگہ (دائیں اور بائیں) چھپا، اسی طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔ متن کی اسی املا کو قائم رکھا گیا ہے کہ جس کے تحت یہ تخلیقات شائع ہوئیں۔ نامانوس الفاظ کے لئے مقالے کے آخر میں فرہنگ شامل کر دی گئی ہے۔ ہر گیت، بھجن اور دوہے کا ماخذ اس کے آخر میں واوین کے اندر خط نسخ میں دیا گیا ہے۔

☆☆☆

ذیل میں مظفر علی سیّد کے مطبوعہ دوہوں اور گیتوں کی فہرست اور متن پیش کیا جاتا ہے۔اس مقالے میں مظفر علی سیّد کے صرف ان دوہوں، بھجن اور گیتوں کا متن دیا جا رہا ہے جو ہندی لب و لہجے کے عکاس ہیں۔ان کی دیگر شعری تخلیقات کے لیے دیکھئے: حواشی نمبر ۱۹ ، ۲۱ ، ۲۲ ، ۲۳ ،۲۴ ، ۲۵ ، ۲۶۔

فہرست

نمبر شمار	عنوان	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
۱۔	دوھے (تیرہ)	''راوی'' جلد۴۴، شمارہ ۳، گورنمنٹ کالج لاہور	مئی ۱۹۵۱ ص ۷۲
۲۔	دوھے (چھ)	'' ادبِ لطیف '' لاہور	اکتوبر ۱۹۵۱ ص۳۶
۳۔	دوھے (چھ)	''راوی'' جلد۴۵، شمارہ ۳، گورنمنٹ کالج لاہور	مارچ ۱۹۵۲ ص ۸۳
۴۔	دوھے (چھ)	''راوی'' (صدسالہ جشن کی خصوصی اشاعت) جلد ۵۸، شمارہ ۳	۱۹۶۴ ص ۳۹۵
۵۔	گیت (جیون پیارا۔۔۔)	''راوی'' جلد۴۵، شمارہ ۱، گورنمنٹ کالج لاہور	نومبر ۱۹۵۱
۶۔	گیت (بھاگ مسافر، بھاگ یہاں سے۔۔)	''راوی'' جلد۴۵، شمارہ ۲، گورنمنٹ کالج لاہور	جنوری ۱۹۵۲ ص۷۲
۷۔	گیت (اب کاھے بھجن کرو)	''راوی'' جلد۴۶، شمارہ ۱، گورنمنٹ کالج لاہور	نومبر ۱۹۵۲ ص۳۰
۸۔	دھیان کی مایا دیجو	ماہنامہ ''خیال'' مکتبہ خیال، لاہور	جنوری ۱۹۵۳ ص۷۲
۹۔	لہریں، من ساگر کی لہریں	ماہنامہ ''خیال'' مکتبہ خیال، لاہور	مارچ ۱۹۵۳ ص۸۰
۱۰۔	جواری (پریم جواری، شاہ جی۔۔۔)	''راوی'' جلد۴۶، شمارہ ۳، گورنمنٹ کالج لاہور	مئی ۱۹۵۳ ص۱۰۱
۱۱۔	گیت (دیوالی کی جوت جگالو۔۔۔)	۔۔۔۔۔۔۔ایضا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	۔۔ایضا۔۔۔ص۱۰۳
۱۲۔	ایفمی (ناری سے من لائیے۔۔۔)	''راوی'' جلد۴۶، شمارہ ۴، گورنمنٹ کالج لاہور	جون ۱۹۵۳ ص۲۸
۱۳۔	ہوری	''سویرا'' شمارہ ۱۰۔۱۱ لاہور	س۔ن ،ص ۲۳۹
۱۴۔	جب بھوک لگی۔۔۔	''افکار'' کراچی	جنوری ۱۹۵۸ ص۲۲
۱۵۔	میٹھے پھل کی شردھا	''افکار'' کراچی	اکتوبر ۱۹۵۸ ص۳۰
۱۶۔	سہاگ کا گیت	''ادبِ لطیف''، لاہور	اگست ۱۹۹۴

☆☆☆

دوھے

نگری نگری گھوم کر چین کریں ھر روج
رشتے ناتے دیس کے ، اپنے من کا بوجھ

☆

میری مانو شاہ جی ، اس پوتھی آگ لگاؤ
ٹکٹ کٹا کے ریل کا ،سیدھے متھرا کو جاؤ

☆

پوتھی سے توات بھلی ، رنگ رنگ کی نار
اس بدیا کے کارنے ، کیوں چھوڑیں سنسار

☆

کچھ تو کیجیے شاہ جی، جو ڈوبی ناؤ ترے
بیٹھ رہوگےکب تک یوں ھاتھ پہ ھاتھ دھرے

☆

اپنے من کی آگ میں کچھ پھول کھلا،نادان
ماس جلا کےجل بجھے، شمشان کی آگ سمان

☆

پریم کا منتر دیکھیے رھے جو رات کو پاس
روم روم میں رچ گئی کومل تن کی باس

☆

سپنوں کی دنیا بھلی اس پیتم کے سنگ
اس دنیا کی ریت میں ، نکست ناھیں امنگ

☆

لوک لاج کی مار بھی کیسی انوکھی مار
بسر گئی سدھ پریم کی ہمن سے بھولی نار

☆

سپنوں میں لرجا کروں ، من مارے موج ترنگ
سارا تن جاگو سکھی ، جب لاگو انگ سے انگ

☆

پھیکی ہیٹھی ، کھٹ مٹھی باس تو سب کے پاس
نئی نویلی نار کی ، نئی نویلی باس

☆

لالن آج بھی آ چکے ، مجھ کو یہی پریکھ
پولن سیج بچھاے کے ، اب اکھیوں برکھا دیکھ

☆

کہا کروں تو سے سکھی ، پیت انوکھا کھیل
اک پل میں ھو جات ھے پیتم تی کا میل

☆

پیتم نے ، سکھی ، چھوڑ کر اک اور جلائی جوت
بھولی بسری پیت کا کس کو پالن ھوت

(مطبوعہ ”راوی“ جلد ۴۴، شمارہ ۳، گورنمنٹ کالج لاہور، مئی ۱۹۵۱، ص ۷۲، ۷۳۔)

☆☆☆

مظفر علی سید

دوھے

نگری نگری گھوم کر چین کریں ھر روج
رشتے ناتے دیس کے ، اپنے من کا بوجھ

☆

شاہ جی تم تو فقیر ہو کیوں دل کو لگایو روگ
ساتو پی کر سو رہو اور ڈھونڈو پریم نیوگ

☆

جوگی لوبھ نہ کیجیو پت کا رہے کھیال
تن من تجیو پیت میں ، لیجو جوگ سنبھال

☆

نانگا جوگی، شاہ جی ، ڈھونڈے ہے من ہرن
نا کوئی چدّر گیروی نا کوئی کالا برن

☆

جس پیچھے سادھو بنے جس کھاتر چین دیو
پوچھت ہے وہ من ہرن کس کارن جوگ لیو

☆

اپنے جوگ میں شاہ جی آپ کرو ہری سیو
نا کوئی برن پچھانیو ، نا کوئی گورو دیو

☆

کس کارن اس دیس میں تن من دے ہو کھوئے
جو کوئی وان ہو سو اپرادھی ہوے

☆

(مطبوعہ "ادبِ لطیف" اکتوبر ۱۹۵۱ ،ص ۳۶)

☆☆☆

مظفر علی سید

دوھے

کچھ تو کیجے ، شاہ جی ،کیوں اپنا آپ گنواؤ
من کی آگ بجھے نہیں ، تن کی آگ بجھاؤ

☆

پیٹ کی بھیک نہ مانگیو ، چاہے جلے سریر
مانگن مرن سمان ھے ، کہہ گئے بھگت کبیر

☆

بھوک ستاوے رات دن ، مانگے لاجوں مریں
ایسے لوگ کہاں گئے ، جو بن مانگے دھریں

☆

بھوک مٹے نہیں ، شاہ جی ، مانگ مانگ کر کھائیں
آگ لگے اس شہر کو جس شہر میں صاحب نائیں

دھونی دیکھے ، آ کہے :''سادھو جی ، آ دیس''
جیسے بھی ساجن ملے ، ویسا کرنا بھیس

☆

دوھے لکھ لکھ ، شاہ جی ،کیوں اپنا آپ جلاؤ
گوری سے جا کر ملو اور اس کا من پگھلاؤ

(مطبوعہ''راوی''جلد۴۵،شمارہ۳،گورنمنٹ کالج لاہور،مارچ ۱۹۵۲ ،ص۸۳)

☆☆☆

دوھے

گوری درپن دیکھ کر ، گھڑی گھڑی مسکائے
مورکھ اپنے آپ کو ، کوس کوس رہ جائے

☆

کام بھرے جی میں سکھی ، روپ سجن کو دیکھ
ان نینن کا ھر گھڑی، جگ میں یہی بسیکھ

☆

ھنسی مزاخ کی بات پر ، اپنی جان جلاؤں
جھوٹی کو سچی کہوں،اور آپ ھی ڈر ڈر جاؤں

☆

اس پاپی کے ھاتھ سے ،کون اب مجھے بچائے
نینن تو بیری بھئے منوا ٹوہ لگائے

☆

بھور سمے،اٹھ کر سکھی،چھت پہ کھڑی ہو جاؤں
نئے سرے سے لال کی ،ھر دن آس لگاؤں

☆

آنکھ لگے تو سانورا،کہیں سپنوں میں آ جائے
نندیا نیاری نیہ کی ، نینن نہیں سمائے

(مطبوعہ ”راوی “(صد سالہ جشن کی خصوصی اشاعت) جلد۵۸،شمارہ ۳ ،۱۹۶۴ ص۳۹۵)

گیت

جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا

رس کا لوبھ لگانے آئے ، سندر دیس کے باسی
کوملتا کی چادر تانے پگ پگ ملی اداسی
موڑ موڑ پر پیر پسارے ڈگر ڈگر سر مارا
جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا

سمرن چھوڑ لگائی خوشبو ، رام دیا نہیں پائی
تن من میلا کر کے چھوڑا ، دھونی نئی جمائی
راس رچائی نئے ڈھنگ سے پہلا بھیس اتارا
جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا

رام بھروسے جینا ٹھرا ، جی کا کس بل کھوئیں
روگ لگا کر اٹھ پہرا ساجن ، کیا جاگیں کیا سوئیں
من کی آنکھیں کھو کر دیکھا ، چھوں اور اندھیارا
جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا

چھوٹے دانوں کی مالا بھی جپتے جپتے چھوٹی
برے کام پر ھاتھ اٹھایا اپنی قسمت پھوٹی
پیچھے بات بگاڑی تم نے ، پہلا دوش ہمارا
جیون پیارا
اس نگری کی گلی گلی میں رول رول کر مارا

(مطبوعہ "راوی" جلد ۴۵،شمارہ ۱، گورنمنٹ کالج لاہور،نومبر ۱۹۵۱،ص ۱۳۹۔۴۰)

☆☆☆

گیت

مظفرعلی سید

I am here fighiting with ghosts both
within and without. **IBSEN**,ghosts

بھاگ مسافر ،بھاگ یہاں سے یہ بھوتوں کا ڈیرا
اس بستی کے رھنے والے منتر سدا چلائیں
پچھل پیریاں حور بنی ، راتوں کو آن ڈرائیں
چھوں اور اس نگری میں جادو نے جال بکھیرا
بھاگ مسافر بھاگ یہاں سے یہ بھوتوں کا ڈیرا

لوک لاج کا ڈھونگ رچائیں ، اپنا کام سنوار
باھر راکھیں پریم کوی کو ، پردے چلون ڈار
طاق طاق پر دیپ جلائیں ،من میں گھور اندھیرا
بھاگ مسافر بھاگ یہاں سے یہ بھوتوں کا ڈیرا

یہ کٹیا جو نظر پڑے ہے ،سند ر اور چپ چاپ
شور بنا یہاں مچی رہے ہے نسدن آپا دھاپ
ترت چلو اس پاپ دیس سے کیجو ناہیں بسیرا
بھاگ مسافر ، بھاگ یہاں سے یہ بھوتوں کا ڈیرا

(مطبوعہ ’’راوی‘‘جلد ۴۵،شمارہ ۲،گورنمنٹ کالج لاہور، جنوری ۱۹۵۲ ص ۷۲)

☆☆☆

گیت

مظفر علی سید

اب کاھے بھجن کرو
اپنے من پر بیت چکی ھے ، بیتن ھماری
جوبن مدھ میں مست رہو تم ، او متواری
کس کارن پرائی چوکھٹ پر
اپنا سیس دھرو
اب کاھے بھجن کرو

جس پریمی سے لیو بچائے ،اپنا تن من
دیوی دیوتا کیا دیں اس کو ، تیرے کارن
روکھی سوکھی پراتھنا سے
کیوں ان کی گود بھرو
اب کاھے بھجن کرو

(مطبوعہ ’’راوی‘‘جلد ۴۶،شمارہ ۱،گورنمنٹ کالج لاہور، نومبر ۱۹۵۲ ص ۳۰۔)

☆ ☆ ☆

موج دریا

(یہ بھجن بلاعنوان موج دریا کے قلمی نام سے شائع ہوا)

دھیان کی مایا دیجو------سیام جی

دھیان کی مایا دیجو

جگت گرو ، میر اگیان بھی اوگن پلٹ سکے نہ کایا
روپ انوپ کی دھوپ جلائے ، ملے نہ شکتی چھایا
دیا کا کارن کیجو ------ سیام جی

دھیان کی مایا دیجو

گلی گلی میں شام سویرے ، پھر پھر جوگ سنایا
جا کے کارن سادھو ہوئے وا کا بھید نہ پایا
جی کی بتھا سن لیجو ------ سیام جی

دھیان کی مایا دیجو

دان ملے تو لیا نہیں جائے لاج رہے سمجھائے
روپ کی مایا بھائے نائیں من بھی میلا کیا نہیں جائے
دان پے نہیں ریجھو------سیام جی

دھیان کی مایا دیجو

(مطبوعہ ماہنامہ "خیال" لاہور ، جنوری ۱۹۵۳ ص۷۲۔)

☆☆☆

موج دریا

لہریں ، من ساگر کی لہریں
گہری تہ سے اچھل اچھل کر اونچے محل ڈبو دیں

آشاؤں کے محل دو محلے ، گیان مان کی چٹانیں
بہتا پانی مست چال میں کیا اب کو پہچانے
اپنا کایا روپ بدل کر ، پگھل پگھل کر روئیں
لہریں ، من ساگر کی لہریں
گہری تہ سے اچھل اچھل کر اونچے محل ڈبو دیں

جگت بھیا سب پانی پانی ، دھرتی جل تھل ساری
ایک ہی بہتے نشے کی دھارا ، ایک ہی دھن متواری
بڑھتے بڑھتے بھومنڈل کو اپنے بیچ سمو دیں
لہریں ، من ساگر کی لہریں
گہری تہ سے اچھل اچھل کر اونچے محل ڈبو دیں

(مطبوعہ ماہنامہ "خیال" مارچ ۱۹۵۳،ص ۸۰۔)

☆☆☆

ہوری

مظفر علی سیّد

کھیل کھیل کر چھوری
ہم نے
ہوری رنگ بھری
من ہی من میں رنگ بساویں، مل کر برج چلیں
سانوریا کے درسن پاویں، کاہے بیٹھے جلیں
آنگن میں پچکار چلاویں، منہ پہ گلال ملیں
نینن میں، سکھی، دھوم مچاویں، کھیلیں من کی ہوری
ہم نے، کھیل کھیل کر چھوری
ہوری رنگ بھری

تیاگ کا بھیس اتارا، سکھی ری، کم کم بندیا لگائیں
لال ہمارا، کھلار بھئے ہیں، ہم کاہے شرمائیں
انگ بھجیں رس رنگ میں، آلی، رین دنا
کیسر عطر ملے بھر بھر جھوری، ساجن دوار چلو ری
ہم نے کھیل کھیل کر چھوری
ہوری رنگ بھری

(مطبوعہ: ''سویرا'' لاہور، شمارہ ۱۰-۱۱، ص ۲۳۹)

☆☆☆

جواری

مظفرعلی سید

پریم جواری ، شاہ جی ، بازی بڑی لگائے
تم کیا جیتو ، هاریو۔ تن من رهو بچائے

دو اک بازی جیت کے ، هاتھ کو لیوے روک
ڈرے چھچھورا هار سے ، بات کرے دو ٹوک

پریم جوئے میں ، شاہ جی ، اندھا داؤں لگاؤ
تھوڑا سا کیا جیتا ، کچھ کھووو کچھ پاؤ

دو اک بازی جیت کے ، چین ذرا نہ آئے
نشہ جواری آ چڑھا ، هارے بنا نہ جائے

جب تک سانس هے ،شاہ جی کاهے کرو وچار
جوے جیت کی آس پر ،کھا کے چلو ادهار

بازی بڑی لگائیو ، هونی هو سو هوئے
آن گنوالی پیت میں ،آپ جگ میں آور کھوئے

ارے جواری باورے ، پل پل داؤ لگائے
اور گنوائے هاتھ سے ، هار سہی نا جائے

پانسا پلٹ دکھا گئے ، هر دے داؤ لگا لے
پھڑ بازوں کو لوٹنے ، نئے کھلاڑی آئے

پھڑ بازوں سے بھاگیو ، لوبھ کو کرو سلام
جیتا مال بچاونا ، کسی کسی کا کام

جیتا مال لگاوتے ، تھر تھر کانپے ھات
یا سارا دھن آپنو ، یا پھر ساری رمات

دھن کھویا ، تن من تجا ، اب ھار بڑوں کا نام
پریم جوا جو جیت لے ، تس کے باندھ گلام

ایسا جواری ، جو پھڑ بازوں پر تھر تھری لالے
پانسا پلٹ سکے نہ کوئی ، چاہے دیپ بجھائے

جو چاہو کرتا رہو ، اپنی جیت نہ مات
کھیل کا پانسا ، شاہ جی ، بڑے کھلاڑی مات

(مطبوعہ ''راوی'' (نظم نمبر)جلد ۴۶،شمارہ ۳، گورنمنٹ کالج لاہور،ص ۱۰۱۔۱۰۲)

☆☆☆

دیوالی کی جوت جگالو۔۔۔

مظفر علی سید

دیوالی کی جوت جگا لو ۔۔ اپنے من میں

ھارے جواری پچھلے سال کے۔۔نئی امنگیں لائے
کسی سادھ کے چرن چاٹ کے اشر واد لے آئے
تم بھی دو اک داؤں لگا لو۔۔ شبھ لگن میں
دیوالی کی جوت جگا لو ۔۔ اپنے من میں

دیپ جلے کونے کونے میں ، جگت بھیا اجیارا
پھڑبازوں نے کوٹھریا کو ،لیپ پوت کے سنوارا
تم بھی نینن نور بسا لو ۔۔ اس درسن میں
دیوالی کی جوت جگا لو۔۔ اپنے من میں

ھاتھ لگی کی جیون مایا ، بڑھ بڑھ داؤ لگا لو
سوچ میں ڈوبے کیا سکھ پایا ،روگ مٹے تو مٹا لو
پچھلی ھار کی کسر نکالو ۔۔نئے چلن میں
دیوالی کی جوت جگا لو ۔۔ اپنے من میں

(مطبوعہ "راوی" (نظم نمبر)جلد ۴۶،شمارہ ۳، گورنمنٹ کالج لاہور،ص۱۰۳)

☆☆☆

افیمی

موج دریا

ناری سے من لایئے ، جیون پوتھی ودوان
آٹھ پہر من میں بسے،سوئے جاگے دھیان

سپنوں کی دنیا بھلی ، اس پیتم کے سنگ
اس دنیا کی ریت میں، نکست ناہیں انگ

سپنوں میں لرجا کروں،من مارے موج ترنگ
سارا تن جاگو سکھی، جب لاگو انگ سے انگ

رھے وہیں حیران سے ،آنکھیں کھول اک بار
برج پری کو دیکھ کے ، سینے ٹوٹی تار

سانجھ گنوائی سوچ میں ، پینک کھوئی رات
سپنا بھولا ، شاہ جی ، مینجت رھیئے ھات

انراگے جب سے ،سکھی ، کہیں نت رام رحیم
اٹھت سکیں نہیں آپ سے ، ھاڑوں ھاڑ افیم

رتی بھر چنیا بیگم نے پیاس بجھائی تیری
گگن منڈل کی سیر سہاوے،بھاوے رات گھنیری
مگر چاندنی کھلی باورے ، لاؤ نیا کھٹ راگ

جاگ افیمی جاگ
وِش گولی میں نینن پانی گھول گھول تن گالا
کیا اتنی سی بات پہ رنجھو ، پیو ہلاھل پیالا
جاگے دیس میں دو اک پل کی پینک تیرا بھاگ
جاگ افیمی جاگ

(مطبوعہ ''راوی'' جلد ۴۶،شمارہ ۴،گورنمنٹ کالج لاہور، جون ۱۹۵۳،ص۲۸۔)

☆☆☆

موج دریا

میٹھے پھل کی شردھا

تم مورتی ہو، کس دیوی کی، میں جس کی پوجا کرتا ہوں
کیا کتھا کیرتن، دوہے کبت، کیا بھجن آرتی گاتا ہوں
کیا بھولے بسرے گیت سجل، کیا سکھ سنگیت سناتا ہوں
دکھ درد ملا کر، چرنوں میں ہر مل کی دھونی دھرتا ہوں

تم اندرلوک کی اپسرا ہو، یا برمہا کنڈ کی دیوی ہو
کوئی رنگ نہیں میری آنکھوں میں، من میں اک روپ تمہارا ہے
کوئی سپن نہیں میری پلکوں میں، اک تیرا روپ سہارا ہے
کوئی کھوٹ نہیں اس کے گھٹ پر، جونس نس کھرا پجاری ہو

تیرے چرنوں کو میرا ہاتھ لگے تو پاؤں کو سرکاؤ نہیں
اپنے دل کی اکساہٹ سے، تیرا پتھر دل دھڑکاؤں میں
یا بند کلی سے ہونٹوں تک کوئی میٹھا پھل لے جاؤں میں

میری شردھا سے مکھ موڑو نہیں اور چور بدن کو لجاؤ نہیں

یونہی پوجا پاٹھ کے مندر میں تیوہار منائے جاتے ہیں
تم دیوی ہو، پر دیوی کو بھی پھول چڑھائے جاتے ہیں

(مطبوعہ"افکار" کراچی ، اکتوبر ۱۹۵۸ ، ص ۳۰)

☆☆☆

سہاگ کا گیت

مظفر علی سیّد

چندن مانگ بسو۔۔۔ری دلہنیا
چندن مانگ بسو

سکھ سمپت کا سمے سہانا ، ہنس ہنس جگ میں بتاؤ

بپت سمے بھی دھیان میں راکھو، انت کو کیوں پچھتاؤ
رہے پیت کا من میں ٹھکانا، ایسی ریت کرو۔۔

ری دلہنیا۔۔۔چندن مانگ بسو
موتی پیس کے مانگ بھری رہے،بالک گود ہری
بھاگ سہاگ بھگوان بنا دے ، ملیو پیت کھری
ساجن سنگ نبھی رہے جگ میں لوکن لاج بنو
ری دلہنیا۔۔۔ چندن مانگ بسو

(مطبوعہ :ماہنامہ "ادب لطیف "جلد ۵۹،شمارہ ۸، اگست ۱۹۹۴)

☆☆☆

فرہنگ متن

مظفر علی سیّد کے جن دوہوں، گیتوں اور بھجنوں کا متن دیا گیا ہے، ان میں ہندی کے زیادہ تر الفاظ غیر مانوس نہیں ہیں جیسے: نار، من،، ناؤ، کومل، پیتم،، سکھی، سیج، جوت، برکھا، بھیس وغیرہ وغیرہ۔ تاہم، ان کے ہاں ہندی کے چند الفاظ قدرے نامانوس ہیں۔ ذیل میں ایسے الفاظ کے لغوی مفاہیم دیے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے مندرجہ ذیل لغات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔

۱۔ہندی اردو لغت از راجیسور رائو ۔اصغر ، سچیت کتاب گھر ،لہور ۲۰۰۳

۲۔جامع اللغات ،جلد اول اردو سائنس بورڈ ،لاہور

دوہے

بدیا: علم ، دانش ،ہنر

کارنے:سبب ، باعث ،وجہ

پوتھی: پستک، کتاب،بہی،صحیفہ

شمشان: مردے جلانے کا مقام ،مر گھٹ

متھرا: ایک مشہور تیرتھ گاہ کا نام جہاں سری کرشن جی تولد ہوئے

سمان:برابر ، موافق ، عزت ، توقیر

سیو: حد ، سرحد

روم: جسم کے باریک بال ،رواں

نیه: نیتی ، ادب

درپن: آرسی ، آئینہ ،مراۃ

ریکھ: تحقیق ، دیکھنا

مورکھ: بے عقل ، جاہل ، احمق ، گول

بھئے: ڈر، خوف ،بیم

بسیکھ: خاص ،امتیاز ،خاصیت

نانگا : ننگا۔سادھوئوں کا ایک فرقہ جو ننگا رہتا ہے

تجیو: ترک کرنا،تیاگنا

برن : ذات، مذہب،فرقہ،ہندئو ں کے چاروں ورن

اپرادھی : صاحبِ تقصیر،خطاوار،پاپی

ہری : پیلا رنگ،شیو جی،

وان : مرکب الفاظ کے ساتھ رکھنا یا ہونا کے معنی دیتا ہے جیسے (گن وان، دھن وان) وغیرہ

گیت (جیون پیارا۔۔۔)

سمرن: دعائیں جو تسبیح پر پڑھی جاتی ہیں ،ورد

دیا : محبت ، عنایت ، رحم

پگ : پیر ، قدم ، گام ، پائے

راس : شور ، غل ، ہلہ

گیت (اب کاھے بھجن کرو)

بھجن: لفظی معانی خدمت کے ہیں لیکن عرف عام میں خدا کی تعریف کا گیت

کا رن : سبب ، باعث ، موجب

بیتن : کرایہ ، مزدوری ، اجرت ، چاند

سیس : سر ، راس، شعلۂ نار ، سیم

جوبن مدھ : نئی جوانی، آغازِ جوانی

پرار تھنا :چاہنا ، مانگنا ، حمد ، منا جا ت

لہریں، من ساگر کی

آ شا ئوں : آشا کی جمع ،خواہش ، جگت : چلنے والا ، زمانہ ، گیتی
چاہ ، آرزو
گیان : عقل ، علم ، فہم بھو منڈل : کرۂ ارض ، دنیا
کایا : تن ، بدن ، جسم

ہوری

ہوری : ہندوں کا ایک تیو ہار جو رین دنا : رات ، شب ،غم و اندوہ
پھاگن کے آخر اور بسنت رتو کی
ابتدا میں آتا ہے۔
برج : متھرا کا ضلع ۔ یہ مقام سری کیسر : زرد رنگ ، زعفران ، شرزہ کی
کرشن جی کے طفلانہ کھیل کود اور گردن کے بال
ان کے مورد ہونے کی وجہ سے
مشہور ہے۔
گلال : زعفران ، کیسر کُم کُم : کیسر ، زعفران ، گلال

جواری

دائوں : دائو کی جمع تس : اس کے پیچھے ، اس کے بعد
وچار: سوچ ، فکر ، غور آور : ظاہر ، نمودار ، روشن

دیوالی کی جوت۔۔۔

سادہ : خواہش ، چاہ / سادھو ، سنت ، اجیارا: دان ، خیرات ، پوجا کرنے والا زاہد

چرن: پگ ، قدم ، پیر درسن : دیکھنا ، ظاہر ہونا ، ملنا ، زیارت

جوت : آب و تاب ، چمک ، نور ،چراغ کی روشنی

افیمی

ودوان : پنڈت ، عالم ، فاضل ، دانا انرا گے : چاند کی سترہویں (۱۷) منزل

سانجھ : شام ، مغرب رنجھو: خوش کرنا ، پیار دینا ، لال رنگ کرنا

پینک : افیون یا پوست کے نشے کی اونگھ چنیا بیگم : افیم

گگن منڈل : کرۂ فلک

میٹھے پھل کی شردھا

شردھا : اعتقاد ، ایمان ، بھروسہ ، آرزہ اندر لوک: راجہ اندر کے رہنے کا ملک یعنی بہشت

کیرتن : تعریف ،گانا ، بھجن ،حمد اپسرا: جنت کی رقاصہ ، نہایت حسین عورت

کبت : شاعری   سہا کنڈ : پانی کا وہ چشمہ جو کسی
خاص مقدس کام کے لیے معین ہو
آرتی : بھجن جو آرتی کے وقت گایا   تیوہار : خوشی کا دن
جاتا ہے ۔حمد ، بیاہ کا ایک طریقہ
:

سہاگ کا گیت

سمپت : دھن دولت ، کامیابی ، اختیار   بالک : شیر خوار بچہ ، لڑکا ، کودک
، خزانہ ، جوڑ
بپت : آفت ، مصیبت ، رنج ، خطرہ   ملیہ : ایک پہاڑ کا نام جو دکن میں
ہے جہاں عمدہ صندل پیدا ہوتا ہے۔

☆☆☆

حواشی اور حوالے

۱۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر: ''سیر بین'' ، لاہور ، قوسین ۲۰۰۰ ، ص ۵۷۔

۲۔ مظفر علی سیّد کے قلمی نام ''موج دریا'' کی تصدیق مجلّہ ''راوی'' جلد ۴۶، شمارہ ۴ جون ۱۹۵۳ سے بھی ہوتی ہے۔اس شمارے کی فہرست میں ایک نظم کے عنوان ''افیمی'' کے سامنے شاعر کے طور پر ''مظفر علی سید'' درج ہے جبکہ اندر کے صفحات میں نظم کے متن پر ''موج دریا'' لکھا ہے۔اس شمارے کے مدیر شہزاد احمد ہیں جو زمانہ طالب علمی میں سید صاحب کے نہ صرف قریبی دوستوں میں شامل تھے بلکہ سید صاحب کے زمانہ ادارت میں وہ ''راوی'' کے قلمی معاون بھی تھے ۔سید صاحب نے اپنے زمانہ ادارت میں ''نئے پرانے '' کے عنوان سے جن چند احباب کا تعارف لکھا، ان ادبی دوستوں میں شہزاد احمد بھی شامل تھے۔

۳۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر: ''سیر بین'' ص ۵۸۔

۴۔ ائیر فورس کی ملازمت سے پہلے مجلّہ ''خیال'' جنوری ۱۹۵۳ میں مظفر علی سیّد کا ایک بھجن ''دھیان کی مایا

دیکھیے، مجلّہ ''راوی'' (نظم نمبر) جلد ۴۶، شمارہ ۳ میں پول ورلین کے نظم کا اردو ترجمہ ''چاندنی'' کے عنوان سے اور ''راوی'' ہی میں جلد ۴۶، شمارہ ۴ میں ''افیمی'' کے عنوان سے ان کی تخلیقات ''موج دریا'' کے قلمی نام سے شائع ہو چکی تھیں۔

۵۔ انتظار حسین: ''مظفر علی سید۔ کچھ پرانی باتیں'' مشمولہ ''راوی'' جلد ۸۷، شمارہ واحد، گورنمنٹ کالج لاہور، ۲۰۰۰ ص ۵۴۔

۶۔ غالب احمد: ''مظفر علی سید۔ ایک وِدوان'' مشمولہ ''راوی'' جلد ۷۹، شمارہ اول، گورنمنٹ کالج لاہور ۱۹۹۲ ص ۳، ۴ ص۔

۷۔ مظفر علی سید کی شخصیت میں موج دریائی پہلو سے مزید آگہی کے لیے دیکھیے: مظفر علی سید۔ ایک وِدوان از غالب احمد مشمولہ ''راوی'' ۱۹۹۲ ص ۳ اور سیر بین از سہیل احمد خان قوسین لاہور ۲۰۰۰، ص ۵۷۔

۸۔ عرش صدیقی نے اپنے مقالے میں اردو دوہا نگاروں کے دوہوں کی تعداد کا تعین کیا ہے جو حسب ذیل ہے: ''جمیل الدین عالی (۳۴۵) پرتو روہیلا (۵۹۱) تاج سعید (۱۷۷) مشتاق چغتائی (۶۰۰) جمیل عظیم آبادی (۳۳۶) عابد صدیق (۲۰) عادل فقیر (۱۲۹) الیاس عشقی (۷۳۰) کشور ناہید (۳۸) ناصر شہزاد (۷) انوار انجم (۱۹) وحید قریشی (۴)۔۔۔'' [پاکستان میں اردو دوہا نگاری مشمولہ ''تکوین'' لاہور ۱۹۹۷ ص ۱۸۵]

۹۔ عرش صدیقی کی نظم ''ماہ و انجم'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ دیکھیے: مجلّہ ''راوی'' جلد نمبر ۴۴، شمارہ ۱، نومبر ۱۹۵۰، ص ۵۸۔۶۰

۱۰۔ پاکستان میں دوہے کے حوالے سے جمیل الدین عالی نے وقیع کام کیا ہے۔ پاکستان میں اردو دوہے کی روایت ان کے سامنے کا قصہ ہے۔ اس لیے دوہے کی روایت بیان کرتے ہوئے وہ عموماً حافظے سے مدد لیتے ہیں جس کی وجہ سے اکثر اہم دوہا نگاروں کا ذکر ان کے ہاں نہیں ملتا: ''دم تحریر پاکستان کے جو دوہا نگار یاد آتے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں (بے تقدیم و تاخیر) پرتو روہیلہ، کشور ناہید، جمال پانی پتی، جمیل عظیم آبادی، مشی فاروقی، عالمتاب تشنہ مرحوم، آفاق صدیق، رحمان خاور، نگار فاروقی، مشتاق چغتائی، صدیق رخی اور اب ذکیہ غزل۔'' (حرفے چند از جمیل الدین عالی مشمولہ ''دوہا ہزاری'' ادراک پبلی کیشنز، حیدر آباد (سندھ) ۲۰۰۳۔)

۱۱۔ کنول ظہیر نے ''پاکستان میں اردو دوہے کی روایت'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر جی سی یونیورسٹی، لاہور

سے۲۰۰۴ میں ایم۔فل (اردو) کی ڈگری حاصل کی۔۲۰۰۵ میں یہ مقالہ مذکورہ عنوان سے انجمن ترقی اردو پاکستان سے کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔''حرفِ چند'' جمال پانی پتی مرحوم نے لکھا ہے۔بلاشبہ ،مجموعی طور پر یہ مقالہ عمدہ ہے۔تاہم ،دوہے کی روایت (باب دوم)اور پاکستانی دوہے پر اجمالی نظر (باب سوم) کے حصوں میں بھی مظفرعلی سیّد کے دوہوں کا حوالہ موجودنہیں۔

۱۹۸۶ میں ایم۔اے کی سطح پر دیبا مرتضی نے''اردو میں دوہا نگاری'' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھ کر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ،ملتان سے ڈگری حاصل کی تھی۔اس مقالے میں بھی مظفرعلی سیّد کا تذکرہ نہیں ملتا۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تحقیقی وتنقیدی مضامین کے علاوہ جامعات میں ہونے والے تحقیقی منصوبوں میں بھی سید صاحب کے دوہوں کی نشان دہی نہیں کی گئی۔

۱۲۔ نفیس اقبال کی کتاب''پاکستان میں اردو گیت نگاری'' ۱۹۸۶ میں سنگِ میل پبلی کیشنز سے شائع ہوئی۔یہ ان کا مطبوعہ تحقیقی مقالہ ہے۔اس میں مظفرعلی سیّد کی گیت نگاری کا ذکر موجود نہیں۔

۱۳۔ غالب احمد:''مظفرعلی سید۔ایک ودوان'' مشمولہ''راوی''۹۲، ص۳

۱۴۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ایضا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۵۔ انتظارحسین:''مظفرعلی سید۔کچھ پرانی باتیں''مشمولہ''راوی''۲۰۰۰،ص۵۴

۱۶۔ غالب احمد:''مظفرعلی سید۔ایک ودوان'' مشمولہ''راوی''۹۲،ص۴

۱۷۔ بحوالہ ''چراغوں کا دھواں'' از انتظارحسین ، سنگ میل پبلی کیشنز ، لاہور ، (طبع دوم) ۲۰۰۳ ، ص ۹۴

۱۸۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۹۔ غالب احمد نے اپنی یاداشتوں میں سیّد صاحب کے نامکمل ناول کا نام''آدھا آدمی'' لکھا ہے جو درست نہیں (دیکھئے ''مظفرعلی سید۔ایک ودوان'' مجلّہ ''راوی'' جلد۷۹،شمارہ واحد، گورنمنٹ کالج لاہور،مئی ۱۹۹۲ ص۴)لاہور سے انتظارحسین کی زیرادارت شائع ہونے والے رسالے''خیال'' جنوری ۱۹۵۳ میں اس ناول کے اشتہارات چھپے تھے جن میں ناول کا نام''فالتو آدمی'' درج ہے۔اشتہار میں دیا گیا جملہ: ''ایک ایسے آدمی کی داستان ہے جو کبھی تہذیب کے سلسلہ رواں میں شامل تھا مگر اب اس کی تمام قوتیں رائیگاں جاتی ہیں'' مظفرعلی سیّد کی اپنی داستان کی عکاسی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

۲۰۔ غالب احمد: ''مظفر علی سید۔ایک وِدوان'' ''راوی'' ص ۴

۲۱۔ رسالہ ''فنون'' جلد ۸، شمارہ ۳،۴ (جدید غزل نمبر) لاہور، جنوری ۱۹۶۹ میں مظفر علی سیّد کی جو غزلیں شائع ہوئیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

سنیے پیامِ شمس و قمر، رقص کیجیے	فنون (جدید غزل نمبر) لاہور	جنوری ۱۹۶۹
قطرے میں بھی چھپے ہیں بھنور، رقص کیجیے	″	″
دہنِ میہمان میں کانٹے	″	″
ہر ایک راہ سے آگے ہے خواب کی منزل	″	″
کیا غم، جو فلک سے نہ اترا کوئی سرِ خاک	″	″
جوانی، مگر اس قدر مستیاں	″	″
بہت نحیف ہے طرزِ فغاں، بدل ڈالو	″	″
سید تمھارے غم کی کسی کو خبر نہیں		
کون کہتا ہے مصیبت پر کبھی ماتم نہ کر	″	″

۲۲۔ ''کراچی میں قیام کے دوران ''افکار'' سے تعلق قائم ہوا تو اختر حسین رائے پوری اور آذر زوبی کے لیے مخصوص شماروں میں ان کی تحریریں باقی تحریروں سے ممتاز تھیں۔'' (بحوالہ ''سیر بین'' از ڈاکٹر سہیل احمد خان، ص ۶۶)

۲۳۔ ''افکار'' میں مظفر علی سیّد کی شائع ہونے والی شاعری کی تفصیل حسب ذیل ہے:

جب بھوک لگی۔۔۔	افکار کراچی	جنوری ۱۹۵۸ ص ۲۲، ۲۳
میٹھے پھل کی شردھا	″	اکتوبر ۱۹۵۸ ص ۳۰
شہادت کی شکلیں	″	فروری ۱۹۶۷
قلم، میرا نیزہ	″	ستمبر ۱۹۶۷
سہ طرف سخن	″	مارچ ۱۹۸۰

کام کوئی تو کبھی وقت سے آگے کر جا　　　　　　　　　دسمبر ۱۹۶۷

۲۴۔ پشاور سے شائع ہونے کم معروف رسالے ''سنگِ میل'' کے شمارہ نمبر ۵ میں سید صاحب کی ایک غزل جبکہ تاج سعید کے ''قند'' میں ان کا ایک ''گیت'' شمارہ نمبر ۴ میں شائع ہوا ہے۔ رسالہ ''قند'' کے شمارہ نمبر ۷ کے صفحہ نمبر ۱۲ پر سید صاحب کا ترجمہ کیا ہوا ایک کشمیری گیت شائع ہوا۔اس گیت کو حبہ خاتون نے تحریر کیا ہے۔چونکہ یہ رسالہ کم یاب ہے اس لیے اس گیت کا متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

حبہ خاتون

ترجمہ:مظفرعلی سید

کشمیری گیت

تم نے نہ دیکھا اس کو سکھی
جو پریم کی چوٹ لگائے گیو ،

پوہ کے پالے میں ٹھٹھرایا
ہاڑ کی دھوپ جلایا
اور ندّی وانگ بہائے گیو
جو پریم کی چوٹ لگائے گیو

ایک صنوبر بن میں پایا
تبردار نے کاٹ گرایا
اور پل میں راکھ بنائے گیو
جو پریم کی چوٹ لگائے گیو

☆

۲۵۔ مظفر علی سیّد بیک وقت کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ اردو، فارسی اور پنجابی میں ان کے اشعار ملتے ہیں۔ ''راوی'' جلد ۴۴، شمارہ ۴، جون ۱۹۵۱ میں ان کی ایک فارسی غزل حافظ کی زمین میں شائع ہوئی جس کا متن پیش کیا جاتا ہے۔

ای صبا از کشش آں دشمن جانی بمن آرا
یا برای سخنم حسن بیانی بمن آرا

ایں نوا ھای تو فرسودہ و پا افتادہ است
اے دل مردہ من ، تازہ فغانی بمن آرا

شعر اگر حاصل عمر تو نباشد ، حیف است
خاك بر سر فگن و سوز جہانی بمن آرا

ای جوانان چمن را گل پژ مردہ دھی
بہر تسکین جگر ، تازہ جوانی بمن آرا

بسکہ در کوی کسی پای مرا رہ نبود
این دعا می کنم :" آں راحت جانی بمن آرا"

اوفتادہ بزمیں مصرع حافظ خوانم
" ای صبا نکہتی از کوی فلانی بمن آرا"

حافظ شیرازی کی زمین میں کہی گئی اس غزل کا مطلع ہے:

ای صبا نکہتی از کوی فلانی بمن آر !
زار و بیمارِ غمم راحت جانی بمن آر !

راوی میں سیّد صاحب کی غزل میں ٹائپ کی غلطی موجود ہے۔ دیوانِ حافظ میں اس غزل کی ردیف کے بعد فجائیہ کی علامت درج ہے۔ راوی میں اسے الف ٹائپ کیا گیا ہے۔ (دیکھیے دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی بہ اہتمام محمد قذوینی، دکتر قاسم غنی، کتاب خانہ زوار، چاپ سینا، تہران غزل نمبر ۲۴۸، ص ۱۶۸)

۲۶۔ ''ادبِ لطیف'' شمارہ اپریل ۱۹۶۴ میں مظفر علی سیّد کی ایک غزل شائع ہوئی ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے: تیرا کوچہ خدا نصیب کرے جبکہ ان کی ایک اور اردو غزل ''راوی'' جلد ۴۴، شمارہ ۴، جون ۱۹۵۱ کے صفحہ نمبر ۷ پر شائع ہوئی جس کا مطلع ہے:

لگیں گے راہ میں کتنے ھی ماہ وسال مجھے
قدم قدم پہ رلاتا ھے اپنا حال مجھے

۲۷۔ پنجابی زبان میں مظفر علی سیّد کا ایک گیت ''راوی'' جلد ۴۵، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۵۲ کے صفحہ نمبر ۱۴۲ پر شائع ہوا، جس کا متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

گیت

☆

وس پیا میراموذیاں دے نال
آپے ای میں روواں، تے آپے ای کرلاواں
گل وچ چیکاں نوں میں آپے پھائی پاواں
دل دے نیانے نوں میں کنج پرچاواں
دکھڑا سنانا وی تے ھویا اے محال
وس پیا میرا موذیاں دے نال
دنیا جہانے جیہڑی چیز اے نروئی
ایس انھی نگری وچ ٹکے سیر ہوئی
درد والی گل وی نہ سندا اے کوئی

سبناں نوں جگ وچ اپنا خیال
وس پیا میرا موذیاں دے نال

کنوں جا دساں ، میرے لوں لوں پریت
بند ھو جائے نہ اے اکھ والی جھیت
کدے دے پئے نچدے نے ھونٹاں اتے گیت

رتّو رت کنداں اتے دتی ھوئی تال
وس پیا میرا موذیاں دے نال

☆☆☆

۲۸۔ مظفر علی سیّد کی ایک نظم ''حنیف رامے کے نام: شکوہ جواب شکوہ'' کے عنوان سے مجلّہ ''راوی'' جلد ۴۹، شمارہ ۲، جنوری ۱۹۵۵ میں صفحہ نمبر ۴۲ پر جبکہ ایک اور نظم ''جب بھوک لگی۔۔۔'' کے عنوان سے رسالہ ''افکار'' جنوری ۱۹۵۸ کے شمارے میں صفحہ نمبر ۲۲ پر شائع ہوئی۔

☆☆☆

ماخذ و مصادر

(کتب)

۱۔ الیاس عشقی : ''دوہا ہزاری'' ادراک پبلی کیشنز حیدر آباد (سندھ) ۲۰۰۳

۲۔ انتظار حسین: ''چراغوں کا دھواں'' سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور (طبع دوم) ۲۰۰۳

۳۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر : ''سیر بین'' قوسین لاہور ۲۰۰۰

۴۔ شیرازی، خواجہ شمس الدین محمد حافظ: '' دیوانِ خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی'' بہ اہتمام محمد قذوینی، دکتر قاسم غنی ، کتاب خانہ زوار ، چاپ ِسینا، تہران

۴۔ کنول ظہیر : ''پاکستان میں اردو دوہے کی روایت'' انجمن ترقی ٔ اردو پاکستان کراچی 2005

۵۔ نفیس اقبال : ''پاکستان میں اردو گیت نگاری '' سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۶

۶۔ مظفر علی سیّد : ''تنقید کی آزادی '' دستاویز مطبوعات لاہور (س۔ن)

(رسائل)

۱۔ ''ادبِ لطیف ''	لاہور	اکتوبر ۱۹۵۱
۲۔ ''ادبِ لطیف ''	لاہور	فروری ۱۹۵۲
۳۔ ''ادبِ لطیف ''	لاہور	اپریل ۱۹۵۲
۴۔ ''ادبِ لطیف ''	لاہور	اپریل ۱۹۶۴
۵۔ ''ادبِ لطیف ''	لاہور	اگست ۱۹۹۴
۶۔ ''افکار''	کراچی	جنوری ۱۹۵۸
۷۔ ''افکار''	کراچی	اکتوبر ۱۹۵۸
۸۔ ''افکار''	کراچی	فروری ۱۹۶۷
۹۔ ''افکار''	کراچی	ستمبر ۱۹۶۷
۱۰۔ ''افکار''	کراچی	دسمبر ۱۹۶۷
۱۱۔ ''افکار''	کراچی	مارچ ۱۹۸۰
۱۲۔ ''تکوین''	لاہور	۱۹۹۸
۱۳۔ ''خیال''	لاہور	جنوری ۱۹۵۳
۱۴۔ ''خیال''	لاہور	مارچ ۱۹۵۳
۱۵۔ ''راوی''	لاہور	نومبر ۱۹۵۰
۱۶۔ ''راوی''	لاہور	مئی ۱۹۵۱
۱۷۔ ''راوی''	لاہور	جون ۱۹۵۱
۱۸۔ ''راوی''	لاہور	نومبر ۱۹۵۱
۱۹۔ ''راوی''	لاہور	جنوری ۱۹۵۲
۲۰۔ ''راوی''	لاہور	مارچ ۱۹۵۲
۲۱۔ ''راوی''	لاہور	نومبر ۱۹۵۲

۲۲۔ ''راوی'' لاہور جنوری ۱۹۵۵

۲۳۔ ''راوی'' لاہور (صدسالہ ایڈیشن)۱۹۶۴

۲۴۔ ''راوی'' لاہور سالنامہ ۱۹۹۲

۲۵۔ ''راوی'' لاہور سالنامہ ۲۰۰۰

۲۶۔ ''فنون''(جدید غزل نمبر) لاہور جنوری ۱۹۶۹

☆☆☆